حنفی اصول الفقہ

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامی، جامعہ کراچی

بتدریج ترقی کے لحاظ سے فقۂ اسلامی کو چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ حیات کی فقہ (۱۰ھ ہجری تک)

۲۔ عہدِ صحابۂ کبار کی فقہ (۱۱ھ ہجری سے ۴۰ھ ہجری تک)

۳۔ عہدِ صحابۂ صغار و تابعین کی فقہ (۴۱ھ ہجری سے دوسری صدی ہجری کی ابتداء تک)

۴۔ دوسری صدی ہجری کی ابتداء سے چوتھی صدی ہجری کے تقریباً نصف تک۔

پہلا دور:

یہ دور زندگی کے جوہر کو نشو و نما دینے کا تھا۔ اس عہد میں قانونی مسائل محدود تھے کیونکہ نئی تہذیب اور نئے تمدن سے سابقہ پیش نہیں آیا تھا۔ اس دور میں فقہ کے صرف دو ماخذ تھے۔ (۱) قرآنِ حکیم اور (۲) ذاتِ نبوی۔

دوسرا دور:

اس عہد میں روم و ایران کے علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گئے۔ اس لئے اس دور میں سیاسی و اجتماعی بہت سے مسائل ابھر آئے تھے۔ چنانچہ اس دور میں مذکورہ ضرورت کے پیش نظر مسائل حل کرنے کے لئے دو چیزوں کا اضافہ ہوا۔ یعنی اجماع اور رائے کا۔ ان دونوں سے کام لینے کی ترغیب قرآن و سنت میں موجود تھی۔ اسی دور میں اجماع کو منظم شکل دی گئی۔ نیز اس دور میں رائے کا استعمال مقاصدِ شریعت اور اصولِ دین کے ماتحت ہوتا تھا۔ مذکورہ ہر دو ماخذ کے اضافہ کے باوجود اس دور میں بھی فقہ واقعاتی اور عملی رہا۔ نظری نہ بن سکا۔ اس دور کے بعض مسائل میں صحابہ کے درمیان اختلافات ہوئے۔ جس کے اسباب درج ذیل تھے۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

۱۔ قرآنِ حکیم کے سمجھنے میں اختلاف جس کی بناء پر فتویٰ میں اختلاف ناگزیر تھا۔

۲۔ حدیث کے قبول کرنے میں اختلاف۔ کسی کو پہنچے ہوئے ذریعہ پر اعتماد حاصل ہو جاتا اور کسی کو نہ ہوتا تھا۔

۳۔ حدیث سے لاعلمی کی وجہ سے فتوؤں میں اختلاف۔

۴۔ رائے کی وجہ سے اخلاف۔

اس دور کے مشہور ترین حضرات جو فقہ میں زیادہ ماہر اور رمز شناس تھے۔ درج ذیل ہیں۔

حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب. اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔

اس دور میں مسلم امت مندرجہ ذیل تین سیاسی فرقوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ یہ عمل بھی اسلامی فقہ پر اثر انداز ہوا۔

۱۔ جمہور مسلمان جنہوں نے حضرت امیر معاویہ اور ان کی خلافت پر اتفاق کر لیا تھا۔

۲۔ شیعہ، جو حضرت علی اور اہل بیت کی محبت پر قائم تھے۔

۳۔ خوارج، جو حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت معاویہ تینوں کو ناپسند کرتے تھے۔

تیسرا دور:

فقہ کی ترتیب و تدوین کا پورا مسالہ اسی دور میں تیار ہوا تھا۔ اس بناء پر اس کو ترتیب و تدوین کا تاسیسی دور کہنا زیادہ مناسب ہے۔

اس دور کی درج ذیل خصوصیات فقہ پر بھی اثر انداز ہوئی ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کی باہمی فرقہ بندیاں۔

۲۔ مرکز میں پہلی جیسی جاذبیت کا فقدان، نیز اسلامی کاز، کی توسیع کی غرض سے علماء وفقہاء صحابہ کا مختلف ملکوں اور شہروں میں چلے جانا اور اپنے جانشین تیار کرنا۔ بلاشبہ اس دور میں بعض تابعین ایسے بھی تھے، جو بجا طور پر فتویٰ وغیرہ میں صحابہ کے ہم پلہ تھے۔

۳۔ احادیث کی روایت کا سلسلہ قائم ہونا اور حدیث کا عام رواج ہونا۔ (دورِ ثانی میں ایک حد تک اس پر پابندی تھی)۔

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

۴۔ غیر عربوں کا نظامِ تشریعی کو سمجھنا۔

۵۔ رائے اور حدیث کے استعمال کرنے کی حد میں اختلاف ہوا۔ جس کی بناء پر دو مختلف گروہ بن گئے۔ ایک گروہ اہل حدیث کہلایا، جس کا مرکز مدینہ تھا، دوسرا گروہ اہل الرائے کہلایا۔ یہ شریعت کو عقلی اور اصولی معیار سے دیکھتا تھا اور حدیث نہ ملنے کی صورت میں رائے استعمال کرتا تھا۔ اس کا مرکز کوفہ تھا۔ (۱)

۶۔ ہر علاقہ کے عوام کا اپنے ہی علاقہ کے علماء پر بہت زیادہ اعتماد ہوتا، چنانچہ اہل مدینہ، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت، سعید بن میسب، عروہ، سالم، عطاء بن یسار قاسم، زہری، یحییٰ بن سعید، زید بن اسلم، ربیعہ وغیرہ کے اقوال کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے اور حضرت امام مالک کی تمام فقہ انہی حضرت کی روایات و آثار اور انہی کے عمل و اجتہاد پر قائم ہے۔

اس کے برعکس اہل کوفہ، عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب کے مذہب، حضرت علی اور قاضی شریح اور شعبی کے فیصلوں اور ابراہیم نخعی کے فتوؤں کو ترجیح دیتے تھے۔ (۲)

اس دور میں قیاس، استحسان، استصلاح وغیرہ کا استعمال کثرت سے ہونے لگا تھا۔ فقہاء اور مفتیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ البتہ فقہ کے مختلف مکاتب قائم نہ تھے۔ جو شخص جس سے چاہتا، فتویٰ حاصل کرتا تھا اور وہ مفتی اپنی صوابدید کے مطابق اس کا جواب دیتا تھا۔ اگر ایک کے پاس تشفی نہ ہوتی یا مزید تحقیق درکار ہوتی تو کسی مفتی سے فتویٰ معلوم کر لیا جاتا تھا۔ اس دور میں مختلف شہروں میں سرکاری قاضی بھی مقرر تھے۔ نیز تدوین حدیث کے ساتھ ساتھ وضع حدیث کا سلسلہ بھی اسی دور میں شروع ہوا۔

وضع حدیث کے چند اسباب یہ تھے۔

۱۔ بددین لوگ، دین کی تحقیر کے لئے حدیثیں وضع کرتے تھے۔

۲۔ جاہل صوفی، مذہبی ترغیبات اور فضائل سے متعلق وضع کرتے تھے۔

۳۔ بدعت کے مبلغین اور سنت کے متبعین اپنے اپنے مسلک پر دلیل قائم کرنے کے لئے حدیثیں وضع کرتے تھے۔

۴۔ بعض لوگ اقوالِ صحابہ، مقولاتِ عرب اور حکماء کے حکمت آمیز قصوں کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے، اس کے علاوہ اور بھی کئی اسباب تھے۔ (۳)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ: ☆ قانونِ شریعت ہی کا دوسرا نام فقہِ اسلامی ہے ☆

چوتھا دور:

واضح رہے کہ چوتھے دور کی بنیاد، خود تیسرے دور میں پڑ چکی تھی۔ فقہ کی باقاعدہ تدوین اسی دور میں ہوئی۔ عظیم القدر ائمہ، جن کے مقلدین، اطراف عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے امام کی فقہ پر عمل پیرا ہیں، اسی دور کے ہیں۔

اس دور میں درج ذیل خصوصیات فقہ پر کافی حد تک اثر انداز ہوئیں۔

۱۔ تمدن کی وسعت۔

۲۔ عمومی حیثیت سے علمی حرکت۔

۳۔ حفاظِ قرآنِ کریم کی کثرت اور اس کے حسن ادا کی طرف توجہ۔

۴۔ تدوین حدیث کی تکمیل۔

۵۔ جرح وتعدیل کے فن کی تدوین۔

۶۔ اصولِ فقہ کی تدوین لیکن تدوینِ فقہ کے بارے میں اختلاف۔ اسکی چند صورتیں درج ذیل ہیں۔

(الف) حدیث کی حجیت اور اس سے فقہ کے استنباط میں کسی فقیہ نے کلام نہیں کیا۔ البتہ اس کے قبول کرنے کے طریقوں میں اختلاف ہوا ہے اور ہر فقیہ نے اپنے اپنے معیار کے مطابق اس کے ضابطے اور طریقے مقرر کئے ہیں۔

(ب) قیاس اور استحسان کو ماخذ قرار دینے میں اختلاف ہوا۔ ظاہریہ (امام داؤد ظاہری کی طرف منسوب) نے قیاس کا نہایت شدت سے انکار کیا، اور محدثین نے قیاس کے زیادہ استعمال پر پابندی لگانے کی کوشش کی، جبکہ امام شافعی نے استحسان کا رد کیا۔

اس میں شک نہیں کہ قیاس سے اس دور میں بہت زیادہ کام لیا گیا تھا، جس میں احناف کا حصہ سب سے زیادہ تھا، اس سے کم شوافع کا پھر اس سے بھی کم حنابلہ اور مالکیہ کا تھا۔

(ج) اجماع کی شرطوں میں اختلاف ہوا۔

(د) ثبوتِ حکم کے درجہ اور طریقہ میں اختلاف ہوا۔ مطلب یہ کہ کس طرح وجوبی حکم ثابت ہوتا ہے۔

(ہ) فقہاء نے اصولِ فقہ پر کتب لکھیں اور اس فن کو مدون کیا۔

اس دور کے مشہور فقہاء حسب ذیل ہیں:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

۱۔ **امام ابوحنیفہ:** ان کے زمانہ میں کوفہ میں تین اور بڑے فقیہ تھے جن کے نام یہ ہیں۔
سفیان بن سعید ثوری، شریک بن عبداللہ نخعی، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔ ان چاروں کی آپس میں علمی وقانونی بحثیں ہوتی رہتی تھیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ کے وہ تلامذہ، جنہوں نے امامِ فقہ یا امامِ حدیث کی شہرت پائی۔

قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن شیبانی، زُفر بن ھذیل البصری، حسن بن زیاد کوفی، یحییٰ بن سعید، عبداللہ بن مبارک المروزی، یحییٰ بن زکریا، وکیع بن الجراح، داؤد طائی، یزید بن ہارون، حفص بن غیاث، ابو عاصم النبیل، عبدالرزاق بن ہمام، ابونعیم فضل بن وکین، قاسم بن معن، اسد بن عمرو، علی بن المسہر، عافیہ بن یزید، حبان، مندل، لیث بن سعد المصری، ابراہیم بن ملہان الہروی، مکی بن ابراہیم، اسد بن فرات القیروانی، ابو عبدالرحمٰن المقری، حافظ یعلٰی بن منصور الرازی، حافظ عبداللہ بن داؤد وغیرہم (۴)

۲۔ **امام مالک بن انس:** مصالحہ مرسلہ، سے امام مالک نے فقہ کو کافی وسعت بخشی۔

۳۔ **امام محمد بن ادریس شافعی۔**

۴۔ **امام احمد بن حنبل۔**

یہ چاروں امام وہ ہیں، جن کے مسلک نے شہرتِ عمومی حاصل کی۔ ان کی فقہ مدون ہوئی اور باقی رہی۔ فقہ کے بعض مذاہب ایسے بھی ہیں، جن کے ماننے والے موجود تھے اور ایک زمانے تک ان کی پابندی کی جاتی تھی، لیکن بعد میں دوسرے مذاہب اُن پر غالب آگئے اور یہ فنا ہو گئے ان میں چند مشہور فقیہ امام یہ ہیں۔

۱۔ ابوعبدالرحمٰن بن محمد اوزاعی ۲۔ ابوسلیمان داؤد ظاہری
۳۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری۔

واضح ہو کہ اس دور میں فقہ عملی اور واقعی نہ رہا بلکہ ایک حد تک نظری اور تخیلی بن گیا۔ یعنی واقعات ومسائل کے پیش آنے سے پہلے فرض کر کے ان کے متعلق احکام بیان کئے جانے لگے۔ اس سلسلہ میں فقہائے عراق سب پر سبقت لے گئے۔ (۵)

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

امام ابوحنیفہ نے تفریعاتِ مسائل میں اس قدر کثرت سے کام لیا کہ اس کے لئے ان کو ایسے مسائل فرض کرنے پڑے، جو ابھی واقع نہیں ہوئے تھے۔ تاہم وہ ممکن الوقوع ضرور تھے۔ جو شخص بہ نظرِ غائر ان کا مطالعہ کرنا اور ان کے اسرار و رموز معلوم کرنا چاہتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ان میں باہم گر بڑا گہرا ربط و تعلق پایا جاتا ہے اور یہ ربط و ضبط اس امر کا متقاضی ہے کہ یہ چند اصولوں پر مبنی ہو اور ان کی اساس قواعدِ استنباط پر قائم ہو، گو بعینہ ایسا تو نہیں تاہم چند ایسے قواعد امام ابوحنیفہ کے یہاں ضرور معتبر سمجھے جاتے تھے جن پر آپ کی بیان کردہ فروعات مبنی ہیں اور جن کی روشنی میں آپ نے احکام کا استخراج کیا۔

متاخرین حنفیہ کی کتابوں میں چند ایسے مفصل اصول ملتے ہیں کہ جنہیں مذہب حنفی کے اصولِ استنباط قرار دیا جاتا ہے اور ان اصولوں میں ان کے ائمہ مذہب کے باہمی اختلافات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ قاعدہ امام ابوحنیفہ کا ہے اور یہ صاحبین کا ہے اور یہ ان سب کا متفقہ قاعدہ ہے۔ وغیرہ۔ (۶)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب ''الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'' میں لکھتے ہیں:

> بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے اختلافات کی اساس وہ اصول ہیں، جو اصولِ بزدوی وغیرہ کتابوں میں درج ہیں۔ حالانکہ ان میں سے اکثر اصول ایسے ہیں، جن کا ذکر ان بزرگوں نے کبھی نہیں کیا۔ بلکہ وہ ان کے اقوال و افعال کو سامنے لا کر بعد میں وضع کئے گئے ہیں۔ مثلاً میرے نزدیک فقہ کے حسب ذیل اصول ائمہ کے کلام سے بعد والوں نے نکالے ہیں اور امام ابوحنیفہ یا صاحبین سے کوئی صحیح روایت ایسی منقول نہیں، جس میں یہ اصول مذکور ہیں۔

۱۔ خاص اپنے حکم میں خود واضح اور مبین ہے۔ اس کے ساتھ کوئی تشریحی بیان ملحق نہ کیا جائے گا۔
۲۔ کسی حکم پر اضافہ اس حکم کا نسخ ہے۔
۳۔ خاص کی طرح عام بھی قطعی ہے۔
۴۔ کثرتِ رواۃ، لازمۂ ترجیح نہیں۔
۵۔ غیر فقیہ راوی کی روایت اگر اصل و قیاس کے خلاف ہو تو واجب العمل نہیں۔

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

۶۔ مفہوم شرط اور مفہوم وصف کا کوئی اعتبار نہیں۔ (۷)

ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ جن قواعد کو احناف مذہب حنفی کے اصولوں کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں یا اپنے ائمہ کے استنباط کا مبنیٰ قرار دیتے ہیں، وہ ان کے وضع کردہ نہیں ہیں۔ یہ اصول ان متاخرین علماء کے وضع کردہ ہیں۔ جو ائمہ احناف اور ان کے تلامذہ کے بعد پیدا ہوئے، جو ایسے قواعد کے استنباط کی طرف متوجہ ہوئے کہ جن کے مطابق مذہب حنفی کی فروعات کو ایک ضابطہ میں لاسکیں۔ پس یہ وضع کردہ اصول، فروع کے بعد وجود میں آئے۔ لیکن اس کے باوجود کہ یہ اصول متاخرین کے استنباط کردہ تھے اور ائمہ وتلامذہ سے منقول نہیں ہیں۔ تین اُمور کی طرف اشارہ اور حقائق کو اصل رنگ میں بیان کرنا ضروری ہے۔

پہلی بات یہ کہ امام ابو حنیفہ کے بیان کردہ مسائل وفروعات میں جو فکری ربط وضبط نظر آتا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ چند قواعد کے پابند ہوں گے اور کبھی اُن سے تجاوز نہ کرتے ہوں گے۔ باقی رہا، ان کو مدون نہ کرنا تو اس کے معنٰی یہ نہیں کہ ایسے اصول موجود ہی نہ تھے۔

دوسری یہ کہ جن علماء نے یہ اصولِ مدونہ استنباط کئے، جیسے امام بزدوی وغیرہ۔ انہوں نے انہیں ائمہ مذہب ہی سے منقول اقوال وفروعات سے ان کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ پھر ان اصول وقواعد کو ائمہ مذہب کی طرف منسوب کر دیا۔

تیسری یہ کہ اگرچہ امام ابو حنیفہ سے استنباط کے تفصیلی قواعد منقول نہیں ہیں۔ تاہم استدلال کے قواعد ان سے ضرور مروی ہیں۔ (۸)

فقہ حنفی کے ماخذ کی تعریفات:

ماخذ سے مراد وہ ذرائع ہیں، جن سے قانون اخذ کیا جاتا ہے یا وہ مقامات ہیں، جہاں سے قانون دلائل کے ساتھ حاصل کئے جاتے ہیں، جس فن میں ان ذرائع اور مقامات سے بحث ہوتی ہے، وہ اصولِ فقہ کہلاتا ہے۔ کتابوں میں یہ تعریف مذکور ہے۔

هو علم بقواعد يتوصل بها الى استنباط الاحكام الفقهيه عن دلائلها۔ (۹)

اصولِ فقہ، چند ایسے کلی اصول کا علم ہے کہ ان کے ذریعہ دلائل سے قوانین

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

کے استنباط کا طریقہ معلوم ہو۔ قانون کی کتابوں میں ماخذ کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) ماخذ صوری۔ (۲) ماخذ مادی۔

(۱) ماخذ صوری: قانون کا وہ ماخذ ہے، جس کے ذریعے وہ اپنا جواز اور اثر حاصل کرتا ہے۔

(۲) ماخذ مادی: قانون کا وہ ماخذ ہے، جس سے قانون اپنا مواد حاصل کرتا ہے۔ (۱۰)

فقہ اسلامی کے مادی ماخذ عمومی حیثیت سے بارہ ہیں۔

(۱) قرآن حکیم (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس
(۵) استحسان (۶) استدلال (۷) استصلاح (۸) مسلمہ شخصیات کی آراء
(۹) تعامل (۱۰) عرف وعادت یا رسم ورواج (۱۱) ماقبل کی شریعت (۱۲) قانونِ ملکی۔

اصولِ فقہ کی کتابوں میں صراحۃً صرف پہلے چار کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض آماخذ کو بعض میں داخل سمجھا گیا ہے اور اختصار کے طور پر صرف چار کا ذکر کر کے ان کی تعبیر وتوجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ ان کے عموم میں بقیہ داخل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قیاس کے عموم میں استحسان، استصلاح وغیرہ داخل ہیں۔ نیز رائیں اور استدلال بھی قیاس کے قریب ہے۔ اجماع کے عموم میں تعامل اور عرف داخل ہیں۔ نیز ملکی قانون بھی اس میں شمار ہو سکتا ہے اور قرآن وحدیث کے عموم میں ماقبل کی شریعت داخل ہے۔

پہلے چاروں ارکان میں درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے فرق ہے۔ بلکہ اصل آماخذ صرف قرآن ہے۔ سنت بھی اسی کی تشریح اور عملی زندگی میں متشکل کرنے کے لئے اسی کی تعبیر ہے۔ اسی بناء پر سنت میں بعض تشریحات وقتی اور مقامی ہیں اور بعض اصول اور دوامی۔ تشکیل قانون کے مرحلہ میں یہ دونوں حیثیتیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور رہنمائی کا کام دیتی ہیں۔ جبکہ اجماع وقیاس کی ترتیب و تنظیم، قرآن وسنت ہی کی مقررہ بنیادوں پر ہوئی ہے اور یہی زاویۂ نگاہ ان دونوں کے بارے میں مفید ہو سکتا ہے۔ (۱۱)

امین احسن اصلاحی نے فقہ اسلامی کے پانچ آماخذ بیان کئے ہیں، جو یہ ہیں:

کتابُ اللہ، سنتِ رسول، اجتہاد، معروف اور مصلحت۔

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

ان کے بیان کردہ مآخذ کی تشریح دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دیگر مآخذ، جو ان کے علاوہ الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کئے جاتے ہیں۔ مثلاً اجماع، قیاس وغیرہ۔ وہ سب اس میں داخل وشامل ہیں۔

ذیل میں ہم انہی پانچ مآخذ پر مختصراً گفتگو کریں گے۔

کتاب اللہ:

اسلامی قانون کا پہلا ماخذ کتاب اللہ ہے۔ مگر اس سے قانون اخذ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ مگر فی زمانہ کم سواد لوگوں نے اسے بہت آسان سمجھ لیا ہے۔

۱۔ جو شخص قرآن کا مطالعہ فقہی اور قانونی نقطہ نظر سے کرنا چاہے اسے سب سے پہلے یہ بات سمجھنی چاہئے کہ قرآنِ مجید قانون اور فقہ کی کتابوں کی طرز پر مرتب نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی ترتیب ایک دوسرے اصول پر ہے۔ قرآن کا لفظ لفظ دریائے معانی ہے اور قانون میں ایک ایک نقطہ اور ایک ایک شوشہ کی جو اہمیت ہے، وہ سب کو معلوم ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ اخذ واستنباط کے لئے قرآنی زبان کا کماحقہٗ علم ضروری ہے۔ صرف مروجہ عربی زبان کا علم کافی نہیں۔ قانون میں چونکہ حروف، الفاظ، اسلوب، ترکیب اور تقدیم وتاخیر ہر چیز کی اہمیت ہوتی ہے۔ اس کے لئے قرآن کا وہ مطالعہ ہرگز کافی نہیں ہوگا۔ جو اس کے ترجموں یا تفسیروں کی مدد سے کیا جاتا ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ آدمی، ملتِ ابراہیمی کے بقایا، عرب کے معروف ومنکر، ملتِ موسوی اور ملتِ عیسوی کے احکام وقوانین سے بھی فی الجملہ واقف ہو۔ ان چیزوں سے باخبر ہونا اس لئے ضروری ہے کہ قرآن ان میں سے بعض کی تصدیق کرتا ہے۔ بعض کی تردید کرتا ہے۔ بعض کو نظر انداز کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور بعض کو ترقی دیتا ہے۔ اسی چیز سے دین میں نسخ کی ضرورت اور اس کی حکمت سمجھ میں آتی ہے۔

۴۔ چوتھی چیز یہ کہ آدمی اس حقیقت سے باخبر ہو کہ اسلامی معاشرہ کی تدریجی ترقی کے ساتھ ساتھ اسلامی قانون کس طرح درجہ بدرجہ ظہور میں آیا ہے۔ اسلامی شریعت کی اس تدریج سے جو شخص واقف نہ ہو، وہ نہ صرف اس کے نظام کی بہت سی حکمتوں سے واقف نہیں ہوسکتا بلکہ وہ اس کے نفاذ کے بہت سے عملی تقاضوں کو بھی سمجھ نہیں سکتا۔ (۱۲)

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

نیز یہ کہ قرآنِ مجید میں بعض فقہی احکام تو وہ ہیں کہ جو بالکل دوٹوک اور صریح ہیں اور بعض احکام ایسے ہیں کہ جو اپنے اندر ایسی لچک رکھتے ہیں کہ اُن سے مختلف مفہوم اخذ کرنے کی گنجائش ہے۔ اول الذکر قسم کی آیات جو صراحۃً قرآن حکیم کے قانون وفقہی حکم کو ظاہر کرتی ہیں۔ دو سو سے کچھ زائد ہیں اور مجموعی طور پر وہ تمام آیات جو کسی نہ کسی درجہ میں فقہی احکام سے متعلق ہیں۔ پانچ سو ہیں۔ علماء نے قرآن کی ایسی آیات کو علیحدہ کر کے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ (۱۳)

مختصر یہ کہ قرآنِ حکیم، فقہ اسلامی کا اصل الاصول ماخذ ہے۔ یہ اصول وکلیات کی کتاب ہے۔ اس میں الٰہی حکمتِ عملی اور دستور سے بحث ہوتی ہے۔ جزوی قوانین کی تفصیل بہت کم ہے جیسا کہ علامہ شاطبیؒ رقمطراز ہیں:

> ''قرآنِ حکیم مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے اور یہ جامعیت اسی وقت ہو سکتی ہے، جب کہ اس میں کلیات بیان ہوئے ہوں۔'' (۱۴)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں احکامِ شرعیہ اکثر کلی طور پر بیان ہوئے ہیں۔ جہاں جزئی طور پر تفصیل ہے۔ وہ کسی حکم کلی کے ماتحت ہے۔ (۱۵)

قرآن سے اخذ واستفادہ کے لئے فقہاء کا درج ذیل امور کا جاننا بہت ضروری ہے۔

(۱) ناسخ ومنسوخ (۲) مجمل ومفسر (۳) خاص وعام (۴) محکم ومتشابہ۔

نیز اس امر کا علم بھی ضروری ہے کہ عمل میں لانے کے لئے جو باتیں ہیں، وہ کس درجے کی ہیں۔ مثلاً فرض، واجب، سنت، مستحب وغیرہ اور نہ کرنے سے متعلق جو ہیں، ان کی نوعیت کیا ہے؟ حرام، مکروہ وغیرہ۔ (۱۶)

قرآنِ حکیم کی روح اور اصول وکلیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماخذ قانون نے تشکیل قانون کے مرحلہ میں انسانی طبیعت ومزاج کے پیش نظر ذیل کے اصول کی رعایت لازمی قرار دی ہے۔

۱۔ عدم حرج ۲۔ قلت تکلیف ۳۔ تدریج ۴۔ اور نسخ وغیرہ۔ (۱۷)

سنتِ رسول اللہ:

قرآن کے مطابق اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ رسول اللہ کی سنت ہے۔ (۱۸) نیز آنحضرت ﷺ نے کتاب اللہ کے بعد، جس چیز کو اپنے اوپر لازم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسے سنت ہی

☆ امام مالک بن انس رحمہ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الرشدین۔ سنت کے لغوی معنی مروجہ طور طریقہ کے ہیں۔ لیکن فقہاء کی اصطلاح میں سنت سے مراد آنحضرت ﷺ کے تمام اقوال و افعال اور تقریرات ہیں۔ نیز صحابہ کرام کے اقوال و افعال بھی اسی بنیاد پر سنت میں داخل ہیں کہ ان کے پاس اس کے لئے رسول اللہ کی قولی یا فعلی سند موجود ہوگی۔ جیسا کہ اصول کی کتابوں میں مذکور ہے۔ سنت کا اطلاق رسول اللہ کے قول و فعل پر آپ کے سکوت اور صحابہ کے اقوال و افعال پر ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ سنت اور حدیث میں تھوڑا سا فرق ہے۔ سنت آنحضرت کے ثابت شدہ طریقہ کو کہتے ہیں جبکہ حدیث ہر وہ قول یا فعل یا تقریر ہے۔ جس کی روایت آنحضرت ﷺ کی نسبت کے ساتھ کی جائے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ ثابت شدہ ہے یا نہیں۔ اسی لئے حدیث صحیح اور حسن ہونے کے ساتھ ساتھ سند اور متن ہر دو اعتبار سے ضعیف بھی ہو سکتی ہے اور قرآن و سنت میں بایں طور فرق کیا گیا ہے کہ قرآن کا غالب پہلو چونکہ علمی اور ایمانی ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس کے ایک ایک حرف کو لکھا جائے۔ جبکہ سنت کا غالب پہلو بلکہ اصل پہلو اس کا عملی ہونا ہے۔ یعنی سنت ایک ایسی چیز تھی، جسے ہر مسلمان کے عمل میں نمایاں ہونا تھا۔ جسے آنحضرت ﷺ صرف بتانے کے لئے نہیں تشریف لائے تھے بلکہ اس کو کر دکھانے کے لئے آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کو ضبط تحریر میں نہ لایا گیا ہوتا تب بھی سنت معدوم نہیں ہو سکتی تھی۔ دراصل قرآن حکیم نقشۂ تعمیر ہے اور سنت رسول اس نقشہ کے مطابق تیار کی ہوئی عمارت ہے۔

سنت کے بارے میں صحابہ کا طرزِ عمل:

حضرت ابوبکر صدیق کے سامنے جب کوئی قانونی معاملہ آتا تو پہلے وہ قرآن حکیم میں اس کا حل تلاش کرتے بعدہٗ سنت کی طرف رجوع کرتے اور سنت میں بھی نہ ملتا تو لوگوں سے دریافت کرتے کہ اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کا کسی کو علم ہے؟ بسا اوقات صحابہ میں کچھ لوگ بتا دیتے کہ رسول اللہ نے اس معاملہ میں یہ فیصلہ فرمایا ہے۔ (۱۹)

ائمۂ قانون نے بھی قرآن فہمی اور قانون کے مرحلہ میں سنت کو خاص اہمیت دی ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ اگر سنتیں نہ ہوتیں تو ہم میں سے کوئی قرآنِ حکیم کا فہم نہ حاصل کر سکتا۔ (۲۰)

ذیل میں ہم رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ تشریحات کی چند صورتیں پیش کرتے ہیں۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

۱۔ قرآنِ حکیم میں جو آیات مجمل تھیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی تشریح فرمائی۔
۲۔ جو مطلق تھیں، موقع ومحل کی مناسبت سے انہیں مقید فرمایا۔
۳۔ جو مشکل تھیں ان کی تفسیر فرمائی۔ وغیرہ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے آنحضرت کے ارشادات کو عمومی حیثیت سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ جن کا تعلق پیغمبرانہ فرائض اور تبلیغ رسالت سے ہے، دوسری وہ جن کا تعلق کسی مشورہ اور رائے سے ہے۔

رسول اللہ کا وہ قول اس تقسیم کی دلیل ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں صرف بشر ہوں، جب میں تمہیں تمہارے دین کے متعلق کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب میں تم کو اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں صرف بشر ہوں۔'' (۲۱)

گویا اس میں پہلی قسم تشریعی اور دوسری غیر تشریعی امور کی ہے۔ غیر تشریعی امور میں درج ذیل تشریحات داخل ہوں گی۔

۱۔ وہ احکام جو کسی عارضی مصلحت یا سیاست پر مبنی ہیں۔
۲۔ وہ جو طریقۂ کار سے متعلق ہیں اور حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً جنگ کے طریقے اور حکومت کے شعبوں کی ترتیب وغیرہ۔
۳۔ وہ اُمور جنہیں شخصی وقومی وملکی عادات ورواج کے مطابق اختیار کیا گیا ہے۔
۴۔ وہ باتیں جو عرب میں بطورِ قصہ مشہور تھیں۔ رسول اللہ نے بھی تفننِ طبع یا کسی اخلاقی نتیجہ کے لحاظ سے بیان فرمائیں۔
۵۔ عربوں کے بعض تجربات، علاج، زراعت وباغبانی وغیرہ کے متعلق جو چیزیں بیان فرمائیں۔

ایک مقنن کے لئے ان دونوں قسم کی تشریحات میں نظر امتیاز ضروری ہے۔ ورنہ قانون کی وہ عملی استعداد ختم ہو جائے گی، جو اس کو حالات وزمانہ کے تقاضا کے مطابق ڈھالتی رہتی ہے۔

سنت کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے رویہ کی وضاحت:

بقول مولانا محمد تقی امینی کے امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ شہرت کہ انہوں نے تدوین قانون میں سنت سے زیادہ کام نہیں لیا۔ اگر کسی درجے میں بھی صحیح ہے تو اس کی بنیاد حدیث کی مذکورہ تقسیم ہے۔ یعنی ابوحنیفہ نے آنحضرت ﷺ کی حدیثوں کی تشریعی اور غیر تشریعی امور میں تقسیم کر کے ہی قانونِ

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

(٨٨) [illegible]

[illegible]

(٧٨) [illegible]

[illegible]

[illegible]:

(٨٨) [illegible]

[illegible]

اصلاحی صاحب نے حضرت معاذ بن جبل والی حدیث کو اپنے حق میں دلیل بنایا ہے۔ ان کے نزدیک اس حدیث میں بھی کتاب و سنت کے بعد تیسری چیز جس کا ماخذِ قانون کی حیثیت سے ذکر آیا ہے۔ وہ اجماع یا قیاس نہیں ہے بلکہ اجتہاد ہی ہے۔ (اس موضوع پر قدرے تفصیلی گفتگو اجتہاد کے اصول کے تحت ہوگی)۔

معروف:

امین احسن اصلاحی کے مطابق اسلامی قانون کا چوتھا ماخذ "معروف" ہے۔ معروف سے مراد عرف، رواج اور دستور ہے۔ قرآن مجید نے متعدد معاملات میں سوسائٹی کے دستور اور رواج کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً

الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف......الخ (۲۷)

تم پر فرض کیا گیا ہے والدین اور قرابت مندوں کے لئے دستور کے مطابق وصیت کرنا۔ (یہ حکم آیت میراث کی تنزیل سے پہلے کا ہے)۔

قرآنِ مجید نے رواج یا اس کے ہم معنیٰ کوئی دوسرا لفظ استعمال کرنے کے بجائے ۳۲ مقامات پر "معروف" کا جو لفظ استعمال کیا ہے۔ (۲۸) اس سے بعض اہم حقیقتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

معروف کے معنیٰ جانی پہچانی ہوئی بات کے ہیں۔ یعنی وہ بات جس کو عقل سلیم قبول کرتی ہو، جو عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہو اور جو اچھے لوگوں میں رائج اور مقبول ہو۔ اس لفظ کے استعمال سے کسی سوسائٹی کے وہ دستور و رواج آپ سے آپ خارج از بحث ہو گئے، جن کو قبول کرنے سے عقل سلیم انکار کرتی ہو۔ جو عدل و انصاف کے عام تقاضوں کے خلاف ہوں یا جو صرف انہی طبقات کے اندر پائے جاتے ہوں، جو ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے گرے ہوئے ہوں۔

ہماری فقہ حنفی میں رواج اور معروف پر بہت سے فتوے ملتے ہیں اور فتوے دینے والوں نے اپنے اپنے ملکوں ہی کو اختیار کیا ہے۔ جس سے واضح ہے کہ وہ معروف کو عام مفہوم میں لیتے ہیں۔ اس کو عرب کے معروف کے ساتھ خاص نہیں کرتے۔ عقل کا بھی تقاضا یہی ہے کہ اس کو عام ہی رکھا جائے۔ کیونکہ اول تو اسلامی قانون صرف عربوں ہی کے لئے نہیں نازل ہوا ہے بلکہ ساری

دنیا کے لئے نازل ہوا ہے۔ ثانیاً اگر اس معروف کو کسی ایک قوم کے معروف کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو وہ حکمت ہی باطل ہو کے رہ جائے گی، جو معروف کی اجازت دینے میں مضمر ہے۔ (۲۹)

مصلحت:

اصلاحی صاحب کے نزدیک فقۂ اسلامی کا پانچواں ماخذ مصلحت ہے۔ مصلحت سے مراد اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت ہے۔ مصلحت کا دائرہ، دراصل مباحات کا دائرہ ہے۔ جس میں اسلام نے نہ تو نفی کے پہلو سے اس میں کوئی دخل دیا ہے۔ بلکہ اس کے بارے میں انتم اعلم بامر دنیاکم (۳۰) (تم اپنی دنیا کے معاملات کو زیادہ جانتے ہو۔) فرما کر ہمیں آزاد چھوڑ دیا ہے کہ ہم اس میں جس روش کو اپنے مفاد و مصلحت کے موافق پائیں اسے اختیار کر لیں اور اگر اجتماعی مفاد کے لئے کوئی قانون سازی کرنا چاہیں تو جس چیز میں اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعی مصلحت نظر آئے، اس کے مطابق بنالیں۔ اس دائرہ میں قانون سازی کی آزادی پر اگر کوئی پابندی ہے تو صرف یہ پابندی ہے کہ کوئی قانون کتاب وسنت کے کسی اصول کے خلاف نہ بن جائے۔ (۳۱)

اسی چیز کو مالکیہ "مصالح مرسلہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ مصالح مرسلہ یعنی جن کا تعین شریعت نے مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ ان کو خود متعین نہیں کر دیا ہے۔ اصلاحی صاحب کے بقول "میرے نزدیک حنفیہ جس چیز کو استحسان" کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس سے بھی درحقیقت مراد یہی چیز ہے۔ اگرچہ اصولِ فقہ کی کتابوں میں اس کی تقریر اس طرح کی جاتی ہے کہ بات کچھ الجھ کے رہ جاتی ہے لیکن میرے نزدیک استحسان کا یہ قاعدہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس فارمولے پر مبنی ہے کہ ما راہ المسلمون حسناً فھو عنداللہ حسن (جس بات کو مسلمان بہتر سمجھ لیں۔ وہی اللہ کے نزدیک بہتر ہے) اس اصول کے متعلق ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس کا تعلق اگر ہو سکتا ہے تو مباحات کے دائرہ سے ہو سکتا ہے۔ جس میں مسلمانوں کی صوابدید ہی اصلی رہنما اصول ہے۔ (۳۲)

مآخذ کے مذکورہ تذکرہ کے بعد مناسب ہے کہ علامہ شاطبیؒ کی درج ذیل عبارت ذکر کر دی جائے تاکہ اسلام کے فکری و عملی نظام میں ہر ایک کا محل و مقام متعین کرنے میں سہولت ہو، وہ کہتے ہیں:

شرعی دلیلیں (مآخذ) اصل دو قسم کی ہیں:

۱۔ وہ جن کا تعلق محض نقل سے ہے۔ ۲۔ وہ جن کا تعلق رائے سے ہے۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

پہلی قسم کی بنیاد کتاب وسنت ہیں اور دوسری قسم کی بنیاد قیاس واستدلال ہیں۔ لیکن اصل دلیلیں صرف کتاب وسنت ہیں۔ قیاس واستدلال صرف اس بناء پر دلیل نہیں قرار پاتے ہیں کہ وہ عقل سے ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ اس بناء پر ہیں کہ وہ دونوں کتاب وسنت سے ثابت ہیں، ان پر اعتماد کرنے کی یہی وجہ ہے۔ (۳۳)

اس تصریح سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی قوانین میں بنیادی اور مرکزی حیثیت نقل، کو حاصل ہے۔ عقل اس کے تابع ہے۔ یعنی معیار کا تقرر موقع ومحل کا تعین، عقل کی دخل اندازی کے حدود وقیود وغیرہ میں نقل ہی کا فیصلہ آخری قرار دیا جاتا ہے۔ (۳۴) (جاری ہے)

حوالہ جات

۱۔ ماخوذ از فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۳۶ تا ۴۶۔ محمد تقی امینی، ناشر ٹوینٹھ سنچری اسلامک اسٹڈی سرکل، لاہور، پاکستان، سنہ ندارد۔

۲۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل، ص ۳۹، امین احسن اصلاحی، ناشر فاران فاؤنڈیشن ۱۲۲۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور، بار دوم ۱۹۹۱ء۔

۳۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۵۰۔ ۵۱۔

۴۔ اصولِ فقہ، ص ۶۲ تا ۶۸۔ حبیب الرحمٰن کاندھلوی، قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی۔

۵۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۵۹۔

۶۔ حیاتِ حضرت امام ابوحنیفہ، ص ۴۰۸۔ ۴۰۹، شیخ ابو زہرہ مصری، اردو ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری، ناشر ملک سنز، تاجرانِ کتب کارخانہ بازار، فیصل آباد، بار سوم، ۱۹۸۳ء۔

۷۔ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، ص ۱۷۵، صدرالدین اصلاحی، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۳۔ای، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور، بار پنجم ۱۹۸۰ء۔

۸۔ حیاتِ حضرت امام ابوحنیفہ، ص ۴۱۲۔

۹۔ مسلم الثبوت، ص ۶ وشرح توضیح بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۶۰۔

۱۰۔ اصولِ قانون، ص ۱۸۹، بحوالہ ایضاً، ص ۶۱۔

۱۱۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۶۲۔

۱۲۔ اسلامی قانون کی تدوین، ص ۴۱ تا ۴۴۔ امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، فیروز پور روڈ،

اچھرہ، لاہور، بار اول۔ ۱۹۹۱ء۔
۱۳۔ قاموس الفقہ (جلد اول)، ص ۵۳۔ خالد سیف اللہ رحمانی، میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی، طبع دوم ۱۴۰۸ھ
۱۴۔ الموافقات، جلد ۳، ص ۳۶۷، بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ ص ۶۵۔
۱۵۔ الموافقات جلد ۳، ص ۲۶۶، بحوالہ ایضاً۔
۱۶۔ عقد الجید، ص ۶، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۶۸۔
۱۷۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۸۰۔
۱۸۔ النحل/۴۴، النساء/ ۱۰۵۔
۱۹۔ حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۴۸، بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۱۱۹۔
۲۰۔ مقدمۃ المیزان از اسلامی قانون نمبر ص ۳۰۸، بحوالہ ایضاً ص ۱۲۱۔
۲۱۔ شرح صحیح مسلم جلد ششم، کتاب الفضائل، ص ۸۲۶۔ غلام رسول سعیدی، فرید بک اسٹال، ۳۸۔ اردو بازار، لاہور، بار چہارم ۱۹۹۶ء۔
۲۲۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۱۳۶۔
۲۳۔ توضیح تلویح، جلد ۲، ص ۱۷، بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۱۴۱۔
۲۴۔ حسامی، ص ۲۸۶، بحوالہ ایضاً، ص ۱۴۳۔
۲۵۔ اسلامی قانون کی تدوین، ص ۳۰۔
۲۶۔ ایضاً، ص ۳۶۔
۲۷۔ البقرہ/ ۱۸۰۔
۲۸۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم۔ محمد فواد عبدالباقی۔ ناشر: انتشارات اسلامی: دفتر مرکزی: مقابل دانش گاہ تھران، خیابان فخر رازی، بلاک ۱۹۲، طبع دوم۔
۲۹۔ اسلامی قانون کی تدوین، ص ۸۰۔
۳۰۔ شرح صحیح مسلم، جلد ششم، ص ۸۲۶۔ کتاب الفضائل۔
۳۱۔ اسلامی قانون کی تدوین، ص ۸۱۔
۳۲۔ ایضاً، ص ۸۲۔
۳۳۔ الموافقات، جلد ۳، ص ۲۲، بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۳۲۲۔۳۲۳۔
۳۴۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ۳۲۳۔